جنگِ جمل اور جنگِ صفین کا یہودی پس منظر

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نہ تو مکہ میں جو رسول اللہ ﷺ کی جائے پیدائش تھی اور نہ ہی مدینہ میں جسے آپؐ نے بعد ازاں اپنا وطن بنایا کوئی ریاست یا بادشاہت تھی۔ آپؐ 569ء میں اس دنیا میں تشریف لائے اور 609ء میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو منصبِ نبوت پر فائز فرمایا۔ بعد ازاں ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ آپؐ کو ایک ریاست کے قیام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اپنے ہم وطنوں کی سختیوں سے تنگ آکر آپؐ نے مدینہ ہجرت فرمائی۔ امکانات بہت روشن نہیں تھے۔ مشرکینِ مکہ جو آپؐ کے قتل کی اپنی سازش کی ناکامی اور بچ نکلنے کے بعد مدینہ میں بحفاظت تشریف آوری پر پیچ و تاب کھا رہے تھے، آپ ﷺ کو وہاں بھی چین سے رہنے نہیں دے رہے تھے۔ انہوں نے اہلِ مدینہ کو مسلسل دھمکی آمیز پیغام بجھوائے کہ وہ آپ ﷺ کو قتل کر دیں یا شہر سے نکال دیں ہم خود کاروائی کریں گے (سنن ابو داؤد 19/23 بنو نضیر، ابن حبیب کی کتاب المجبر صفحہ 271/21)۔

وہ شخصیت جسے اللہ تعالیٰ نے "پیروی کا شاندار نمونہ" (قرآن 33/21) بنا کر بھیجا تھا اسے (ان ریشہ دوانیوں) کا جواب تو دینا تھا۔ اس لیے آپؐ نے سب سے پہلے تو ان سینکڑوں مکی مہاجرین کی بحالی کی طرف توجہ کی جو عملی طور پر تن کے کپڑوں کے سوا کچھ بھی ساتھ نہ لا سکے تھے۔ یہ مسئلہ بہت جلد اور مستقل بنیادوں پر مواخات کے معروف عمل کے ذریعے حل ہو گیا اور ہر مہاجر خاندان کو ایک آسودہ حال مدنی خاندان کے ساتھ شریک کر دیا گیا (ابن ہشام، سیرت صفحہ 344-5 یورپی ایڈیشن)۔

اگلا قدم: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے خطے میں آباد تمام قبائل کے نمائندوں کا ایک اجلاس بلایا جس میں مہاجرین مکہ، انصار مدینہ، غیر مسلم عرب، عیسائی اور یہودی بھی شریک ہوئے۔(بخاری 96/16/18 کے مطابق یہ اجلاس انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک کے والدین کے گھر میں ہوا)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجلاس میں ایک مرکزی تنظیم کے ساتھ ایک کنفیڈرل سٹی سٹیٹ بنانے کی تجویز پیش کی۔یہودیوں سمیت شرکاء کی اکثریت نے تجویز قبول کر لی اور مختلف وجوہ کی بنا پر غیر مسلموں نے یہ بھی مان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم ہی اس نئی ریاست کے سربراہ ہوں گے۔ چنانچہ مرکز اور اس کا حصہ بنے والے یونٹوں کے حقوق کا تعین کر دیا گیا اور ذمہ داریاں بھی تفویض کر دی گئیں اور یہ سب کچھ احاطۂ تحریر میں لے آیا گیا (بحوالہ میری کتاب The First Written Cnstitution in the World)

ان خوش کن تبدیلیوں سے حوصلہ پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے گردونواح میں واقع قبائلی آبادیوں کے دورے کئے اور انہیں ایک فوجی اتحاد بنانے کی تجویز پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا کہ "اگر آپ پر حملہ ہوا تو ہم آپ کی مدد کو آئیں گے اور اگر ہم پر حملہ ہوا اور ہم نے آپ کو بلوایا تو آپ کو بھی آنا ہو گا۔ اس معاہدے میں مذہبی اختلافات کو ایک طرف رکھ دیا گیا۔ ان معاہدوں میں بعض کے متن اور مندرجات ہم تک پہنچے ہیں (بحوالہ ابن سعد، I۔ii ، صفحہ 24، 26، 27)۔ یہ معاہدے مدینہ سے شمال ، جنوب اور مغرب میں آباد قبائل سے کئے گئے۔

جب "منڈلہ" (ہندو سیاسی فلاسفروں کا یہ نام اس صورتحال کے لیے بہت موزوں ہے یعنی اپنے اور دشمن کے درمیان دوست قوموں کا ایک سلسلہ وجود میں لے آنا) حقیقت بن گیا تو گویا مشرکین مکہ سے انتقام لینے اور سزا دینے کا وقت آگیا جنھوں نے بہت سے مسلمان مردوں، عورتوں حتیٰ کہ بچوں کو بھی محض اسلام لانے کی پاداش میں قتل کر دیا تھا اور انہیں مالی نقصان پہنچایا تھا۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سزا کے پُر امن طریقہ کو ترجیح دی اور انہیں معاشی مار مارنے کا فیصلہ گیا اور حکم دیدیا کہ

قریش کے شمال (مصر، شام، عراق) کو جانے والے تجارتی قافلوں پر مدینہ اور اس کے اتحادی قبائل کے پاس سے گزرنے والے راستے بند کر دیئے جائیں۔ اہل مکہ نے بزور طاقت قافلے گزارنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں جنگ بدر ہوئی اور اس کے بعد احد اور خندق کی جنگوں کی نوبت آئی (بحوالہ میری کتاب Battlefields of the Prophet Muhammad)۔

جب اہل مکہ کی تمام امیدیں ختم ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "سیاسی حملہ" کرنے کا فیصلہ کیا۔مکہ کے علاقے میں قحط پھوٹ پڑا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے زیر اثر علاقے نجد سے مکہ کے لیے رسد پر عائد پابندی ختم کر دی اور غریب لوگوں کی مدد کے لیے سونے کی 500 اشرفیاں بھی بھجوائیں۔ شمال کے ممالک سے کٹ جانے کے بعد اہل مکہ کا تجارتی سامان ان کے گوداموں میں پڑا سڑنے لگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو سفیان کا مال کھجوروں کے تبادلے میں خریدنے کی پیشکش کی (ان تمام واقعات کا حوالہ المبسوط (از سرخسی)X ، 91، 92 اور شرح السیر الکبیر I۔70، ابو عبید کی کتاب الاموال پیرا 631 موجود ہے)۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرام مہینوں میں مکہ (حدیبیہ) تشریف لے گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد معاہدہ امن کرنا تھا۔چونکہ ابو سفیان اس معاہدے کے وقت مکہ میں نہیں تھا اس لیے یہ قیاس بھی کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے خفیہ طور پر اپنا تجارتی قافلہ لے کر شام جانے اور اس مقصد کے لیے اہل مکہ کے لیے ممنوع قرار دیا جانے والا مدینہ کا راستہ اختیار کرنے کی اجازت دی تھی۔ جنگ خندق میں یہودیوں کی طرف سے بھرپور امداد ملنے کے باوجود اہل مکہ نے حدیبیہ امن معاہدے کے تحت مسلمانوں کی کسی تیسری طاقت سے جنگ کی صورت میں غیر جانبدار رہنا تسلیم کر لیا

(اور اسی کے نتیجے میں مسلمان خیبر پر حملہ کرنے اور اسے ختم کرنے میں کامیاب ہوئے جو یہودیوں کی طاقت کا ایک طاقت کا بڑا مرکز تھا)۔

مکہ کی کہانی مکمل کرنے سے پہلے چند جملوں میں یہودیوں کی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاصمت کا تذکرہ۔ مسلمانوں کی طرف سے خیر سگالی اور دوستی کے مظاہرے کے باوجود یہودی قبیلہ بنونضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی سازش کی۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہہ کر دعوت دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین اصحاب کے ہمراہ آئیں اور ہمارے مذہبی اکابرین سے گفت و شنید کریں اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکو قائل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو ہم اسلام قبول کر لیں گے۔ ایک یہودی کی عرب بیوی نے اس سازش سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باخبر کر دیا۔ اس سازش کی پاداش میں بنو نضیر کو مدینہ سے نکال دیا گیا (مصنف از عبدالرزاق نمبر 7933۔ سمہودی (Samhudi) صفحہ 298) اور یہ یہودی ہی تھے جنھوں نے خیبر میں بیٹھ کر جنگ خندق کی راہ ہموار کی خیبر کی۔ فتح سے فوجی اور سیاسی خطرے کا تو قلع قمع کر دیا گیا لیکن یہودیوں کی نفرت ختم نہ کی جا سکی جو نسل در نسل چلی آ رہی ہے۔

صلح حدیبیہ دو سال تک قائم رہی۔ اس کی خلاف ورزی اہل مکہ کی طرف سے ہوئی اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جنگی فراست سے خون بہائے بغیر مکہ پر قبضہ کر لیا۔ قبضہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے لیے جس عام معافی کا اعلان کیا وہ ان کے لیے قطعی غیر متوقع اور اتنی بروقت تھی کہ ان کے دل اسلام کی طرف مائل ہو گئے اور کم و بیش ایک ہی رات میں تمام اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس سے پورے عرب میں بت پرستی کے تعصبات کا خاتمہ ہو گیا اور تمام لوگ اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

دس سال قبل جو اسلامی ریاست مدینہ کے چھوٹے سے قصبے کے ایک حصے میں قائم ہوئی تھی اب اس کی حدود عرب سے نکل کر فلسطین اور عراق کے جنوبی حصوں تک پہنچ رہی تھیں اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قلمرو کی حدود 30 لاکھ مربع کلومیٹر سے تجاوز کر چکی تھیں اور اسلام کے جانثاروں کی تعداد پانچ لاکھ سے بڑھ گئی تھی۔ یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اپنی سیاسی مصروفیات کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے روحانی مشن سے کبھی غافل نہیں ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف سربراہوں کو خطوط روانہ فرمائے جن میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیروں میں سے ایک کو رومی علاقے میں قتل کر دیا گیا اور جب رومی بادشاہ نے خون بہا دینے سے انکار کیا تو رومیوں کے ساتھ لڑائی شروع ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت دارالحکومت مدینہ میں اس بات پر تو تمام مسلمانوں کا اتفاق تھا کہ اسلامی ریاست کو جو اتنی تکالیف کے بعد قائم ہوئی تھی برقرار رکھا جائے تاہم اس بارے میں ان میں اختلاف تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا جانشین کون ہو۔ اس وقت تین رجحانات سامنے آ رہے تھے:

1) انصارِ مدینہ کی خواہش تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی خلافت اہل خزرج کو ملنی چاہیئے جب کہ قبیلہ اوس اس کی مخالفت کر رہا تھا۔
2) رسول اللہ ﷺ کا خاندان بنو ہاشم خاندانی حکمرانی کے حق میں تھا اور ان کی خواہش تھی کہ خلیفہ بنو ہاشم میں سے ہونا چاہیئے۔
3) عامتہ المسلمین کی اکثریت کسی اہل ترین شخص کو منتخب کرنے کے حق میں تھی۔

مشہور شاعر حسان بن ثابتؓ نے رسول اللہ ﷺ کے وصال پر جو اشعار کہے ان میں بیرونی سازش کا بھی واضح تذکرہ ملتا ہے۔

یثرب (مدینہ) کے عیسائی اور یہودی خوش ہوئے جب دفن ہونے والے کو قبر میں اتارا گیا (انساب از بلازری 1، 593)

ابو الہیثم کی شاعری میں بھی ایسے ہی جذبات کا اظہار کیا گیا ہے:

عیسائی برے کلمات منہ سے نکال رہے ہیں اور منافق بھی۔وہ ایک ہی رسی کے ٹکرے ہیں اور یہودی بھی ان تینوں قوموں کے لوگ ہمارے خلاف مورچہ بند ہیں۔ان کے ہاتھ میں تیر ہیں اور وہ آگے بڑھ رہے ہیں (کتاب الردا - پیرا31)۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان الائمۃ من لاقریش (حکمران قریش ہی ہوں گے) جو بڑے نازک وقت میں ایک انصاری نے یاد دلایا لوگوں کے دل میں اتر گیا اور انصار مدینہ نے خلافت کے اپنے دعویٰ سے بہ رضا و رغبت دستبرداری اختیار کر لی اور موقع پر موجود سب لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ کی مرضی کے خلاف ان کے کندھوں پر خلافت کا بار گراں لاد دیا۔(کتاب الردا - واقدی)۔اس کے باوجود تین روز تک ابو بکرؓ کے ہرکارے مدینہ میں منادی کرتے رہے کہ ابو بکرؓ کی طرف سے آپ بیعت کی پابندی سے آزاد ہیں۔ آپ کسی اور کو یہ ذمہ داری سونپ دیں (انساب از بلاذری I صفحہ 587)۔

اس قسم کے بے لوث شخص سے کون خلافت کا زیادہ مستحق ہو گا۔ایک معروف حقیقت بھی ہے جسے اہل تشیع اور اہل سنت دونوں تسلیم کرتے ہیں مگر اس کے اثرات و مضمرات پر لگتا ہے اب تک کسی نے غور نہیں کیا۔کہا جاتا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے انتخاب کے بعد حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ

تعالی عنہا اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے ہمراہ ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ سے ملنے تشریف لے گئیں اور مطالبہ کیا کہ نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ورثہ آپ صلی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ورثا میں تقسیم کیا جائے بلکہ باغ فدک اکیلے انہیں دیا جائے۔کیا حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا اپنے شوہر علی رضی اللہ تعالی عنہ اور چچا عباس رضی اللہ تعالی عنہ کی مرضی کے بغیر جا سکتی تھیں؟ اگر وہ خود ان کے شوہر علی رضی اللہ تعالی عنہ اور دادا چچا عباس رضی اللہ تعالی عنہ ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کو خلیفہ تسلیم نہ کرتے تو بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کیوں اپنا دعویٰ لے کر ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس جاتیں۔

وہ ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کو قانونی حکمران تسلیم کر کے جائیداد کی تقسیم کا معاملہ ان کے پاس لے گئیں۔اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ یہ دعویٰ لے کر بھی جا سکتی تھیں کہ ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ عہدہ خلافت سے ان کے شوہر کے حق میں دستبردار ہو جائیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے "ظاہری" جانشین بھی تھے۔

ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کا مختصر دور حکومت گوناگوں مسائل سے بھرپور تھا۔مثلاً فتنہ ارتداد اور منکرین زکوٰۃ وغیرہ۔ اس کے علاوہ قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کرنے کا عظیم کام، رومیوں اور ساسانیوں سے لڑائیاں۔اپنے انتقال سے قبل آپ نے اپنا جانشین نامزد کر دیا اور درج ذیل انداز میں ان کا نام عام مسلمانوں کے سامنے پیش کیا تاکہ ان کی توثیق حاصل کی جا سکے۔

انہوں نے عثمان رضی اللہ تعالی عنہ بن عفان کو بطور سیکرٹری بلوایا اور اپنی وصیت لکھوائی جس کے الفاظ یہ تھے "یہ ابو بکر (رضی اللہ تعالی عنہ) کی طرف سے اس دنیاوی زندگی کے آخری دن اور اخروی زندگی کے پہلے دن جب ایک کافر ایمان لے آتا اور بدکار یقین کر لیتا ہے دستاویز ہے کہ میں نے اپنے

بعد۔۔۔۔" یہاں تک پہنچ کر ان پر کمزوری اور بیماری کی شدت سے غشی طاری ہوئی اور ممکنہ خدشات کو محسوس کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف سے لکھ دیا۔ عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو اپنا خلیفہ نامزد کیا ہے"۔دریں اثناء ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوش میں آ گئے اور انہوں نے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ وصیت کہاں تک پہنچی تھی۔عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پورا جملہ پڑھ دیا "میں اپنے بعد آپ کے لیے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خطاب کو خلیفہ نامزد کرتا ہوں"۔ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر کہا "لیکن میں نے نام تو نہیں لکھوایا تھا۔آپ اپنا نام بھی لکھ سکتے تھے اور آپ اس کے اہل بھی ہیں۔بہر حال اللہ تمہاری نیکی، خیرخواہی اور دیانت داری پر تمہارے اوپر اپنی رحمت نازل کرے۔" پھر آپ نے وصیت مکمل کروائی (مکمل متن کے لیے ملاحظہ ہو سنن از بیہقی VIII149-، انساب از بلاذری II-486، مسودات استنبول، میری کتاب وثائق الساسیہ نمبر 392 / ڈی)

اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "پولیس کمشنر" کو ہدایت کی کہ وہ اسے باہر لے جائیں اور مسلمانوں کو جمع کر کے انہیں بتائیں کہ یہ آپ کے خلیفہ کی نامزدگی کی وصیت ہے اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ پیغام ہے کہ آپ سب اس نام کی توثیق کر دیں جو اس بند لفافے میں لکھا ہے۔ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لوگوں کو اس قدر اعتماد تھا کہ سب لوگوں نے بلاتامل اسے قبول کر لیا۔ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد سربمہر لفافہ کھولا گیا اور پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بیعت کی تجدید کی گئی۔ تقریباً بارہ برس بعد ایک غلط فہمی کی بنا پر انہیں شہید کر دیا گیا۔ جان، جان آفریں کے سپرد کرنے سے قبل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کمشن مقرر کر دیا اور انہیں ہدایت کی کہ ان سب سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں۔یہ تمام عشرہ مبشرہ میں سے تھے (دس اصحابؓ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی تھی)۔ان میں سے دو کا پہلے انتقال ہو چکا تھا اور ایک خود عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بستر مرگ پر تھے۔باقی سات میں سے ایک کو ، جو اِن کے قریبی رشتے دار تھے، انہوں نے فہرست سے

خارج کر دیا۔ پھر اس خیال سے کہ چھ کے انتخاب میں ووٹ برابر برابر ہو سکتے ہیں انہوں نے ساتویں رکن کا اضافہ کر دیا لیکن اسے صرف ووٹ دینے کا اختیار تھا، وہ خود خلیفہ نہیں بن سکتا تھا تاہم اس پر پابندی تھی کہ وہ صرف اس وقت ووٹ دیں اگر ووٹ برابر برابر ہو جائیں اور اس طرف ووٹ دیں جس طرف عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عوف ہوں۔ عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عوف پر اس غیر معمولی اعتماد کی وجہ غالبا ایک واقعہ ہے کہ جب عمر رضی اللہ تعالی عنہ قاتلانہ حملے میں زخمی ہوئے تو انہیں عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالی عنہ بن عوف کے گھر لے جایا گیا اور عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے انہیں ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں عمر رضی اللہ تعالی عنہ انہیں خلافت کے لیے نامزد نہ کر دیں۔ جونہی وہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے سامنے آئے تو سلام کے بعد فوراً بول اٹھے "نہیں نہیں مجھے نامزد نہ کرنا میں خلافت کا خواہش مند نہیں"۔ عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے انتقال کے بعد جب کمشن کا اجلاس ہوا تو عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالی عنہ بن عوف نے تجویز کیا کہ جو امیدوار نہیں ہیں ان کا اعلان کر دیا جائے چنانچہ (چار کی دستبرداری کے بعد) صرف عثمان رضی اللہ تعالی عنہ اور علی رضی اللہ تعالی عنہ رہ گئے جس پر عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالی عنہ بن عوف نے تجویز کیا کہ وہ دونوں کسی ایک پر اتفاق کر لیں۔ دونوں نے ذمہ داری عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالی عنہ بن عوف کے کندھوں پر ڈال دی۔ انہوں نے ذاتی رائے دینے کی بجائے عامۃ المسلمین سے مشورہ کیا۔ ابن کثیر کے الفاظ میں (بدایہ VII,146)انہوں نے لوگوں کی انفرادی اور اجتماعی رائے لینا شروع کی خفیہ طریقے سے بھی اور ظاہری سے بھی۔ وہ گھروں میں بھی گئے اور عورتوں سے بھی رائے لی۔ انہوں نے مدارس کے طالب علموں سے بھی پوچھا۔ حتیٰ کہ مدینہ میں ٹھہرے ہوئے مسافروں اور بدوؤں سے بھی دریافت کیا۔ اس ساری مہم جوئی میں ان پر منکشف ہوا کہ صرف دو افراد عمار رضی اللہ تعالی عنہ (بن یاسر) اور مقدار رضی اللہ تعالی عنہ (بن اسود) حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی حمایت کر رہے ہیں جبکہ مسلمانوں کی بھاری اکثریت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے حق میں ہے۔ تین روز

مسلسل مشوروں کے بعد عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالی عنہ بن عوف نے مسلمانوں کو جمع ہونے کے لیے کہا۔پہلے انہوں نے عثمان رضی اللہ تعالی عنہ اور علی رضی اللہ تعالی عنہ سے باری باری پوچھا اگر میں آپ کو نامزد نہ کروں تو آپ دوسرے کی اطاعت کا وعدہ کرتے ہیں۔ دونوں نے ہاں میں جواب دیا۔ پھر سب کے سامنے انہوں نے باری باری دونوں سے پوچھا اگر میں آپ کو منتخب کروں تو کیا آپ قرآن، حدیث اور پیشروؤں ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ اور عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی روایات کی پابندی کریں گے۔ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کا جواب ہاں میں تھا تاہم علی رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ "قرآن اور سنت، ہاں مگر ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ اور عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی روایات کی پابندی کو میں ضروری نہیں سمجھتا۔ میں خود قانون وضع کر سکتا ہوں۔"

اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا "باری تعالیٰ تو جانتا ہے میری سوائے اس کے کوئی دلچسپی کہ میں امت مسلمہ کی بہتری اور فلاح کو عزیز رکھتا ہوں پھر انہوں نے خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی بیعت کی جس کی دوسروں نے تقلید کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کا دور اسلام اور مسلمانوں کے لیے غیر معمولی خوشحالی اور آسودگی کا دور تھا۔ 27 ہجری میں ان کی افواج ایک طرف اسپین کے دروازوں پر دستک دے رہی تھیں تو دوسری طرف ماوراء النہر پر کمندیں ڈال رہی تھیں (طبری، بلاذری)۔ ان کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ وہ سرکاری خزانہ سے کوئی تنخواہ قبول نہیں کرتے تھے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اتنا کچھ دیا ہے کہ انہیں بیت المال سے کچھ لینے کی حاجت ہی نہیں۔ ان کے جود و سخا کا چرچا چار سو تھا۔

طبری کی روایت ہے کہ 33-35 ہجری کے برسوں میں ایک یمنی یہودی عبداللہ بن سبا نے، جو ابن السودا کے نام سے مشہور تھا، اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس کے ظاہری تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ نمازِ فجر

کے لیے مسجد میں داخل ہونے والا وہ پہلا شخص ہوتا اور عشاء کے بعد مسجد سے رخصت ہونے والا بھی وہ آخری شخص ہوتا۔ ہر وقت نوافل کی ادائیگی میں مصروف رہتا۔ اکثر روزہ رکھتا اور درود وظائف کا تو شمار ہی نہ تھا۔ اس کے بعد وہ عالم اسلام کے دورے پر نکل کھڑا ہوا۔ اور حجاز، بصرہ، کوفہ، شام، مصر میں لوگوں کو اپنے بناوٹی تقویٰ سے متاثر کرتا اور خصوصاً ان لوگوں کی ٹوہ میں رہتا جنھوں نے موقع پرستی کے لیے اسلام کا لیبل اپنے اوپر لگا لیا تھا لیکن دراصل وہ اس کی جڑیں کاٹنے کے درپے تھے۔ جب اس نے ایسے بہت سے افراد جمع کرلیے تو اپنا منصوبہ ان کے سامنے پیش کیا جو سادہ مگر دور رس اثرات کا حامل تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی وہ اس کے سگنل کے منتظر رہیں۔ اس نے ایک خط تیار کیا جو ہر علاقے میں اس کے معتمدینِ خاص کو دوسرے علاقوں کے معتمدینِ خاص کی طرف سے پہنچایا گیا۔ اس میں لکھا تھا "پیارے بھائی۔ آپ خوش قسمت ہیں آپ کے علاقے میں اسلام زندہ ہے۔ گورنر دیانت دار ہے، انتظامیہ منصف مزاج ہے جبکہ میرے علاقے میں اسلام مردہ ہوچکا ہے۔ کوئی شخص اس پر عمل پیرا نہیں۔ گورنر شرابی اور عورتوں کا رسیا ہے۔ انتظامیہ بدعنوان ہے۔ بہتری کا کوئی امکان نہیں۔"

اس طرح کے خطوط مسلسل مدینہ سے ہر شہر میں آئے اور اس کے معتمدین نے نمازوں کے بعد مساجد میں پڑھ کر سنائے اور اسی طرح ہر شہر سے ایسے ہی خطوط مدینہ آئے۔ پہلے پہل تو لوگوں نے کوئی توجہ نہ دی لیکن جب "حالات" کی "مسلسل تصدیق" ہونے لگی تو عوام میں ناراضگی پھیلنے لگی۔ بعض نے یہ اطلاعات خلیفہ (حضرت عثمانؓ) تک بھی پہنچائیں۔ اپنے معمول کے مطابق انہوں نے فوراً کاروائی کی اور لوگوں سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ فیصلہ ہوا کہ مدینہ سے با اعتماد اور غیر جانبدار لوگوں کو ان علاقوں کے دورے پر بھیجا جائے جہاں کے بارے میں شکایت کی گئی ہے کہ وہ اسلام سے دور ہوگئے ہیں اور یہ لوگ خود مشاہدہ کرکے الزامات کی تحقیقات کریں۔ بظاہر یہ لوگ گروپوں کی شکل میں نہیں گئے بلکہ ہر ایک اپنے لیے مقرر علاقے کی طرف گیا۔ طبری کے مطابق تمام نمائندے اپنے مقررہ وقت پر دارالحکومت پہنچ گئے اور یہی

خبر لائے کہ نامعلوم افراد کی طرف سے عاید کیے جانے والے الزامات بے بنیاد ہیں اور حالات بہت اچھے اور معمول کے مطابق ہیں (تاہم بدقسمتی سے صوبوں میں اس قسم کا کوئی انتظام نہ کیا گیا جہاں لوگ حضرت عثمانؓ کے خلاف پھیلائی جانے والی بے بنیاد کہانیوں پر مسلسل یقین کرتے رہے)۔

صرف مصر جانے والے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالی عنہ واپس نہ آئے اور مصر ہی میں ٹھہر گئے۔کچھ ہی عرصہ بعد گورنر مصر نے خلیفہ کو رپورٹ بھجوائی کہ یہاں کچھ لوگوں نے عمار رضی اللہ تعالی عنہ کو چکر دے کر ساتھ ملا لیا ہے اور ان کے ساتھ جمع ہورہے ہیں جن میں عبداللہ بن السودا بھی شامل ہے۔خلیفہ نے رواداری کا مظاہرہ کیا۔طبری نے لکھا ہے کہ "شوال 35 ہجری میں ابن سبا نے مصر سے مدینہ کا سفر اختیار کیا۔اس کے 600 کے لگ بھگ فدائی اس کے ساتھ تھے۔اپنے آپ کو ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا رکھنے لیے انہوں نے اعلان کیا کہ وہ حج کے لیے جا رہے ہیں۔ان کے ساتھ ہی بصرہ اورکوفہ سے بھی سبائی مدینہ کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔بلاشبہ یہ سب یہودی النسل نہیں تھے۔ان میں بعض مخلص مسلمان بھی تھے جو اپنی سادگی کے باعث ان کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔سبائی پراپیگنڈہ کام دکھا رہا تھا اور ان سب کا مطالبہ یہ تھاکہ خلیفہ کو معزول کیا جائے جو تمام برائیوں کی جڑ ہے لیکن ان میں یہ اتفاق رائے نہیں ہورہا تھا کہ خلیفہ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کو معزول کرکے کسی ان کی جگہ لایا جائے۔مصریوں کا مطالبہ تھاکہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔بصرہ کے سبائی حضرت طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ کے حق میں تھے جبکہ کوفی حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ بن عوام کے حامی تھے۔عامۃ المسلمین کی حمایت حاصل کرنے کے لیے زمین بڑی احتیاط سے ہموار کی گئی۔جو خطوط مدینہ سے بھجوائے گئے ان پر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے دستخط کئے گئے تھے۔جن میں مصریوں سے کہا گیا تھا کہ وہ مدینہ آئیں اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کو خلافت کی گدی سے اتارنے میں ان کی مدد کریں (طبری)۔دوسرے خطوط پر بی بی عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے دستخط تھے جن میں صوبوں کے لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ

کے خلاف بغاوت پر اکسایا گیا تھا (ابن سعد i, III صفحہ 574)۔ جبکہ بعض خطوط پر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کے دستخط کئے گئے (ابن کثیر III ، 175)

جب شام اور فلسطین کے گورنر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو مشکوک افراد کے قافلوں کی مختلف مقامات سے مدینہ روانگی کی اطلاعات ملیں تو انہوں نے خلیفہ کو مطلع کرتے ہوئے استدعا کی کہ انہیں اپنے کچھ قابل اعتماد فوجی دستے دارالحکومت بھجوانے کی اجازت دے دیں مگر خلیفہ نے یہ پیشکش قبول نہیں کی۔

جب مصر، بصرہ اور کوفہ سے آنے والے باغی مدینہ پہنچے تو وہ سیدھے اپنے "محبوب" لیڈروں علی رضی اللہ تعالی عنہ ، طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ اور زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس گئے۔انہوں نے امہات المومنین کے پاس بھی حاضری دی۔ان سب اصحاب نے آنے والوں (یعنی باغیوں) سے یہی سوال کیا کہ وہ اچانک ان پر کس طرح اتنے مہربان ہوگئے ہیں؟ انہوں نے خلافت کی پیشکشیں بھی ٹھکرا دیں اور انہیں اپنے گھروں سے نکال باہر کیا۔(ادھر سے مایوس ہونے کے بعد) مصری باغی خلیفہ کے پاس چلے گئے اور گورنر کے خلاف شکایت پیش کی۔عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے پوچھا کہ آپ لوگ اس کی جگہ کس کو گورنر لانا چاہتے ہیں؟ "ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کے صاحبزادے محمد کو۔"باغیوں نے جواب دیا۔یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مدینہ میں ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے ان صاحبزادے کو اچھے لفظوں میں یاد نہیں کیا جاتا تھا بلکہ انہیں فاسق کہا جاتا تھا اور بی بی عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کھلے لفظوں میں ان کے بارے میں نا پسندیدگی کا اظہار کرتی تھیں۔

عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے فوری طور پر باغیوں کا مطالبہ تسلیم کیا اور نئے گورنر کی تقرری کا خط لکھ کر محمد بن ابی بکر کے حوالے کیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ فوراً مصر پہنچیں۔باغیوں کو ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ ان کا یہ مطالبہ اتنی آسانی سے تسلیم کر لیا جائے گا۔اب ان کے لیے مصر واپسی کے سوا کوئی چارۂ کار

نہیں رہ گیا تھا۔ پھر اس بدنام کہانی کا آغاز ہوا کہ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے خفیہ طور پر ایک ایلچی مصر بھیجا جس میں گورنر کو مبینہ طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ نئے نامزد گورنر محمد بن ابی بکر جونہی مصر پہنچے انہیں قتل کردیا جائے۔(طبری، ابن حجر، زوائد، مسند البزار، مسودات پیر جھنڈو پاکستان، المطالب العالیہ ایڈیشن کویت پیرا 4438، ابن العربی، عواصم من القواسم صفحہ 96 پر جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں انہیں پڑھ کر قاری خود ہی اندازہ کرسکتا ہے کہ حقائق کیا تھے)۔

مصری دستہ نے مطمئن ہوکر واپسی کا سفر اختیار کیا۔ نامزد گورنر محمد بن ابی بکر بھی ان کے ہمراہ تھے۔ راستے میں ایک تیز رفتار اونٹ سوار ان کے پاس سے گزر کر آگے گیا۔ اس کا رخ مصر کی جانب تھا۔ ابھی وہ راستے میں ہی تھے کہ وہی اونٹ واپس مدینہ کی طرف جاتا نظر آیا۔ اور ایک بار پھر دیکھا گیا کہ وہی اونٹ سوار دوبارہ مصر کی جانب عازمِ سفر ہے۔ مگر کسی نے اس سے تعرض نہ کیا پھر اچانک اس نے قافلہ والوں پر دشنام طرازی شروع کردی۔ انہوں نے پوچھا "تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" اس نے بڑے متکبرانہ انداز میں جواب دیا "میں خلیفہ کا قاصد ہوں اور گورنر مصر کے لیے ان کا خط لے کر جا رہا ہوں۔" اور خط بھی انہیں دکھا دیا۔ متجسس ہوکر محمد بن ابی بکر نے وہ خط کھول لیا اور پڑھا جس میں مبینہ طور پر گورنر مصر کو ہدایت کی گئی تھی کہ جونہی نامزد گورنر محمد بن ابی بکر اپنا تقرر نامہ لے کر آپ کے پاس پہنچیں انہیں قتل کردیا جائے اور ان کے ساتھیوں کو دیگر سزائیں دی جائیں۔

کیا یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ یہ خط بھی ابن سبا کی ایک اور جعل سازی تھی؟ سازشیوں کی توقع کے عین مطابق خط پڑھ کر محمد بن ابی بکر برافروختہ ہوگئے۔ انہوں نے فی الفور مدینہ واپسی کا سفر اختیار کیا اور دارالحکومت پہنچ کر طوفان کھڑا کردیا اور اگرچہ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے قسم اٹھا کر انہیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ خط انہوں نے نہیں لکھا مگر محمد بن ابی بکر نہ مانے۔

مصری باغی پھر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس پہنچے اور مطالبہ کیا کہ خلیفہ کے قتل کے لیے ان کا ساتھ دیں جنھوں نے بلاوجہ ہمارے قتل کا حکم دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے انکار کردیا۔ انہوں نے کہا" آپ ہمیں کس طرح انکار کرسکتے ہیں؟ آپ ہی نے تو خط لکھ کر ہمیں بلوایا ہے۔"انہوں نے کہا "خدا کی قسم! میں نے کبھی کوئی ایسا خط نہیں لکھا۔" باغی حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا "تم مصر کے راستے سے عثمانؓ کے ایک جعلی خط کا بہانہ بنا کر واپس آگئے ہو مگر بصرہ اور کوفہ جانے والے دستے جو اپنے اپنے ملکوں کو روانہ ہوچکے تھے وہ بھی تمہارے ساتھ ہی مدینہ واپس پہنچ چکے ہیں۔ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ تم لوگوں کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟ یقیناً یہ سازش کا شاخسانہ ہے" (طبری)۔

حج کا زمانہ قریب آ رہا تھا۔ خلیفہ نے مدینہ گریژن کے فوجی دستوں کو حج پر جانے کی اجازت دے دی اور مدینہ امن و امان قائم رکھنے والی فوج سے خالی ہوگیا۔ باغیوں نے خلیفہ کی رہائش گاہ کا محاصرہ کرلیا اور انہیں مسجدِ نبوی میں نمازیوں کی امامت سے روک دیا۔ عفیقی نامی ایک یمنی نے، جو ابن سبا کا نائب تھا، خلیفہ کی جگہ نمازوں کی امامت شروع کردی۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ابن سبا کی طرح وہ بھی یہودی تھا کیونکہ شہادتِ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے بعد اس نے اس قرآن کو پاؤں سے ٹھوکر ماری جسے شہادت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ پڑھ رہے تھے اور یہ الٹ کر خلیفہ کے گھٹنوں پر گر پڑا۔

باغیوں نے خلیفہ کی رہائش گاہ کا گیٹ جلادیا تاہم وہ اندر نہ جاسکے۔ اس پر حملہ آور محمد(بن ابو بکرؓ) کے ہمراہ پیچھے کی گلی سے ہوکر مکان کی عقبی دیوار پر چڑھ گئے اور اندر کود کر قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے خلیفہ کو شہید کرڈالا۔ انکی اہلیہ شوہر کو بچانے کی کوشش میں شدید زخمی ہوگئیں۔ ان کے ہاتھ کی انگلیاں بھی کٹ گئیں۔ باغیوں نے گھر میں لوٹ مار بھی کی۔ حملہ سے قبل محمد بن ابی بکرنے معمر خلیفہ کی

داڑھی پکڑلی۔جب خلیفہ نے انہیں شرم دلائی کہ "اگر آپ کے والد(ابو بکرؓ) یہاں ہوتے اور آپ کو اس حالت میں دیکھتے۔۔۔۔۔" تو انہوں نے داڑھی چھوڑ دی اور واپس چلے گئے تاہم دوسروں نے اپنا کام مکمل کر دی۔شومیٔ قسمت دیکھیے کہ باغیوں نے خلیفہ کے جسدِ خاکی کو جنت البقیع میں دفن کرنے سے بھی روک دیا اور کہا کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہودی ہیں (استغفراللہ) اور یہ حقیقت ہے کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جس قطعہ اراضی پر دفن کیا گیا وہ ایک یہودی کی ملکیت تھی۔بعد میں جب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے وہ قطعہ اراضی جس میں معصوم خلیفہ کی قبر تھی خرید کر جنت البقیع میں شامل کردیا۔

جنگ جیت لینا اور ایک شریف النفس بے دست وپا خلیفہ کو قتل کرنا تو آسان تھا مگر اب امن و امان کیسے بحال ہو؟ باغی اب چاہتے تھے کہ اپنے جرم کا کوئی جواز پیدا کرلیں تاکہ انصاف کے کٹھرے میں کھڑے ہونے سے بچ سکیں۔پہلے وہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور انہیں خلافت کی پیش کش کی مگر انہوں نے انہیں جھڑک کر واپس بھیج دیا۔جس کے بعد وہ طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے لیکن انہوں نے بھی انہیں منہ نہ لگایا۔پھر انہوں نے ایک اور حربہ اختیار کیاکہ مدینہ کی گلیوں میں اعلان کرنے لگے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو کہ وہ خلافت سنبھال لیں ورنہ ہم تمہارا قتلِ عام شروع کردیں گے۔اس کے نتائج خاطر خواہ نکلے۔لوگ روتے پیٹتے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور استدعا کی کہ انہیں ہتھے سے اکھڑے ہوئے باغیوں کی دستبرد سے بچائیں۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی آہ و فغاں سے متاثر ہوئے مگر کہا کہ خلافت عوام الناس کا معاملہ ہے۔میں نہ تو آپ کے کہنے پر اور نہ ہی باغیوں کے کہنے پر اسے سنبھال سکتا ہوں۔یہ بات تو درست ہے کہ خلیفہ کی ضرورت ہے مگر اس کے لیے لوگوں کی رائے لینا ہوگی۔اس لیے میں کل نمازِ فجر کے بعد لوگوں سے اس بارے میں پوچھوں گا۔

اگلے روز نماز کے بعد علی رضی اللہ تعالی عنہ نے منبر پر کھڑے ہوکر اور بے گناہ خلیفہ کے بہیمانہ قتل پر دلی دکھ اور صدمے کا اظہار کرنے کے بعد کہا کہ آپ کسی کو خلیفہ منتخب کرلیں۔شاید سب سے پہلے چیخنے والے سبائی ایجنٹ ہی ہوں جنہوں نے کہا " صرف آپ ہی اس کے مستحق ہیں، کیونکہ آپ سب سے اچھے مسلمان ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ کہنے والےسچے مسلمان ہی ہوں تاہم اس موقع پر کوئی اور نام سامنے نہ آیا اور لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی بیعت کرنا شروع کردی۔باغیوں نے دیکھا کہ بعض ممتاز اصحاب رضی اللہ تعالی عنہم اس موقع پر خاموش رہے اور انہوں نے کسی قسم کی سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

ان میں زید رضی اللہ تعالی عنہ بن ثابت، ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ ، طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ ، زبیر رضی اللہ تعالی عنہ ، اسامہ رضی اللہ تعالی عنہ ، اور صہیب رضی اللہ تعالی عنہ شامل تھے۔باغیوں کو سب سے زیادہ خدشہ طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ اور زبیر رضی اللہ تعالی عنہ سے تھا۔اس لیے وہ ان دونوں کو بہ نوکِ شمشیر مسجد میں لائے اور دھمکی دی کہ اگر انہوں نے علی رضی اللہ تعالی عنہ کی بیعت نہ کی تو وہ انہیں قتل کر دیں گے۔جب باغیوں نے دیکھا کہ دوسرے لوگ لا تعلق اور مصالحانہ رویہ اپنائے ہوئے ہیں تو انہوں نے سوچا کہ ان سے بعد میں بیعت لے لیں گے۔چنانچہ طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ اور زبیر رضی اللہ تعالی عنہ نے جبر اور دباؤ کے تحت بیعت کی۔

عام لوگوں کو توقع تھی کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ خلافت کا آغاز ہی قاتلینِ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی گرفتاری سے کریں گے مگر دن اور ہفتے گزرنے لگے اور ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔(مدینہ کا کنٹرول عملی طور پر باغیوں کے ہاتھ میں تھا اور علی رضی اللہ تعالی عنہ باغیوں کی مرضی کے بغیر کچھ بھی کرنے کے قابل نہ تھے۔)

اب مدینہ سے ایک اور خط پورے عالمِ اسلام میں پھیلایا گیا جس میں کہا گیا کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ نے خلیفہ بننے کے لیے عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کو قتل کرایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ آہستہ آہستہ لوگوں کو اس الزام پر یقین آنے لگا۔ یہ فطری بات تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی اہلیہ اور بچوں کو ہر شخص سے زیادہ دلچسپی تھی کہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے خلاف نظامِ انصاف کو حرکت میں لایا جائے۔ اس لیے(شاید مدینہ سے مایوس ہوکر- مترجم) آپ کی اہلیہ نے اپنی کٹی ہوئی انگلیاں اور عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کا خون آلود کرتا جو بوقتِ شہادت زیبِ تن کیے ہوئے تھے معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو شام بھجوادیا جو عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے قریبی رشتہ دار تھے اور ان پر زور دیا کہ قتلِ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کا انتقام لیا جائے۔ میرا ذاتی اندازہ ہے کہ سبائیوں نے شام سے خطوط علی رضی اللہ تعالی عنہ کو بھجوائے ہوں گے جن میں انہیں بھڑکایا گیا ہوگا کہ معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ اپنی خلافت کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ بلکہ راہِ اسلام سے بھی ہٹ گئے ہیں۔ اس قسم کے خطوط جب ایک تسلسل اور منصوبہ بندی کے ساتھ آئیں تو اپنا اثر ضرور دکھاتے ہیں۔ اس موقع پر اپنے مخلص دوستوں کے مشوروں کو نظر انداز کرکے علی رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک سیاسی غلطی کا ارتکاب کیا۔ انہوں نے معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ سمیت صوبائی گورنروں کو شہادتِ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے سانحہ کی اطلاع دیتے ہوئے بتایا کہ وہ خلافت کا منصب سنبھال چکے ہیں اب وہ نہ صرف خود نئے خلیفہ کی بیعت کریں بلکہ اپنے اپنے صوبوں میں بھی خلیفہ کے لیے بیعت لیں۔ انہوں نے معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے نام خط میں انہیں گورنر کے منصب سے معزول کرتے ہوئے ہدایت کی کہ وہ چارج نئے گورنر کے حوالے کردیں۔

یقینی طور پر سبائیوں نے اس صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو علی رضی اللہ تعالی عنہ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی لیکن وہ آسانی سے ان کے چکر میں آنے والے نہ تھے۔

انہوں نے علیؑ کا خط جواب نہایت نرمی سے دیا اور کہا کہ جب قاتلینِ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کو گرفتار کرکے سزا دے دی جائے گی وہ بیعت کرلیں گے۔

اب ہم اپنے موضوع کی طرف واپس آتے ہیں۔اسی اثناء میں سبائیوں کی طرف سے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا، حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا اور دوسری ازواجِ مطہرات کو خط بھجوائے گئے جن میں الزام لگایا گیا کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کو سزا دینے سے انکاری ہیں اور امہات المومنین ہونے کی حیثیت سے آپ کا یہ حق اور فرض ہے کہ آپ اپنے "بچے" عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے قاتلوں کے سروں کا مطالبہ کریں۔بصرہ سے آنے والے خطوط میں یہ پیشکش بھی کی گئی کہ اگر امہات المومنینؓ بصرہ آئیں وہ تو وہ انہیں ہر ممکن مدد کے لیے حاضر پائیں گی۔

کچھ عرصہ بعد طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ اور زبیر رضی اللہ تعالی عنہ مکہ جانے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوگئے۔ان کی منزل بصرہ تھی۔مورخوں کا کہنا ہے کہ ان کی روانگی سے علی رضی اللہ تعالی عنہ کو خطرہ لاحق ہوا کہ اگر انہوں نے بصرہ کے خزانے پر قبضہ کرلیا اور وہاں کی فوج ان سے مل گئی تو وہ حکومت کے لیے خطرہ بن جائیں گے۔اس لیے انہوں نے بھی عراق جانے کا قصد کرلیا۔ادھر ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا پر ان کے بھائی ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ مسلسل زور دے رہے تھے کہ وہ سیاست میں سرگرم حصہ لیں۔اسی اثناء میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ بھی اپنے کچھ قریبی عزیزوں کے ہمراہ عراق تشریف لے گئیں۔بصرہ کے نزدیک ام المومنین رضی اللہ تعالی عنہ کے گرد جمع ہوجانے والوں اور علی رضی اللہ تعالی عنہ کی فوج میں تصادم کا خطرہ پیدا ہوگیا۔

سبائیوں کی خطوط مہم سے بہت سی غلط فہمیاں جنم لے چکی تھیں۔بعض مخلص اور غیر جانبدار مسلمانوں نے مصالحت کی کوششیں شروع کر دیں اور جلد ہی یہ کوششیں بارآور ثابت ہوئیں۔حقیقت یہ تھی

کہ نہ تو علی رضی اللہ تعالی عنہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کو سزا دینے کے خلاف تھے اور نہ ہی عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا ، طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ اور زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کے کوئی ذاتی عزائم تھے۔امن معاہدہ ہوگیا اور دونوں طرف کے لوگ پہلی بار سکون کی نیند سوگئے۔بظاہر ابن سبا کے کھیل کی بساط الٹ چکی تھی۔مگر وہ حوصلہ ہارنے والوں میں سے نہیں تھا۔رات کے آخری پہر اس کے کچھ آدمی عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے کیمپ میں داخل ہوگئے اور علی رضی اللہ تعالی عنہ کی فوج پر حملہ کردیا۔قدرتی طور پر علی رضی اللہ تعالی عنہ کے کیمپ میں یہی سمجھا گیا کہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے اور دھوکہ سے حملہ کردیا ہے۔تاہم جلد ہی ان کے فوجیوں نے صورتحال پر قابو پا لیا۔ادھر عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے کیمپ کو گمان ہوا کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف سے خلاف ورزی کی گئی ہے۔اس ساری صورتحال میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے انتہائی جرأت مندی سے صورتحال کا مقابلہ کیا اور آخر تک اپنی اونٹنی پر سوار رہیں۔اسی بنا پر اس جنگ کو جنگِ جمل کا نام دیا گیا۔لڑائی کے دوران علی رضی اللہ تعالی عنہ کی فوج نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کے گرد گھیرا ڈال دیا اور عملاً وہ مخالف فوج کی حراست میں آگئیں۔ان کے آدمی موقع سے فرار ہوگئے۔اس کے بعد جب صورتحال واضح ہوئی تو بہت دیر ہوگئی تھی۔اس موقع پر عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ نے علی رضی اللہ تعالی عنہ کو ان کے حریف معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے خلاف مدد کی پیشکش کی تاہم علی رضی اللہ تعالی عنہ نے انتہائی احترام سے ان کی پیشکش کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان پر زور دیا کہ وہ واپس مدینہ تشریف لے چلیں اوران کی شایانِ شان واپسی کے انتظامات بھی کر دیئے۔

مورخوں نے ایک اور بظاہر معمولی واقعہ کا ذکر کیا ہے جسے یہاں بیان کرنا نا مناسب نہ ہو گا۔جنگِ جمل سے قبل یا فوراً بعد کچھ مخلص مسلمانوں نے علی رضی اللہ تعالی عنہ سے شکایت کی کہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ ان کی فوج میں آزادی سے پھر رہے ہیں اور وہ ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کر رہے۔اس

پر علی رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے آدمیوں سے پوچھا کہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کون ہیں؟ کم و بیش 12 ہزار آدمی اٹھ کر کھڑے ہوئے اور چلاچلا کر کہنے لگے "میں ہوں۔میں ہوں۔" یہاں اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ اپنی نیک دلی کے باوجود علی رضی اللہ تعالی عنہ کو وہ آزادی حاصل نہیں تھی جو ایک حکمران کو حاصل ہونی چاہیئے۔

جنگِ جمل میں کامیابی سے اگرچہ علی رضی اللہ تعالی عنہ کی قد و قامت میں اضافہ ہوا مگر شام سمیت کئی بڑے صوبے ابھی تک ان کے کنٹرول سے آزاد تھے۔اس اثناء میں معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ خط و کتابت جاری رہی۔یہ تمام خط و کتابت اہلِ تشیع کی مشہور کتاب نہج البلاغہ میں محفوظ ہے جسے اہلِ سنت بھی وقیع گردانتے ہیں۔

انہی دنوں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کا ایک خط "مشتہر" ہوگیا جس میں انہوں نے لوگوں کو عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے خلاف بغاوت پر بھڑکایا تھا۔شہادتِ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے بعد جب یہ خط ان کے علم میں آیا تو انہوں نے کہا: " قسم اس ذات کی جس پر ایمان لانے والے یقین رکھتے ہیں اور فتنہ گر انکار کرتے ہیں، میں نے اس جگہ بیٹھنے تک کبھی ان لوگوں کو کچھ نہیں لکھا۔(ابن سعد، 1/3 صفحہ 57) طبری کی روایت یہ ہے کہ انہوں نے کہا "اگر آپ کو(ناجائز) کوڑا بھی مارا جائے تو میں اس کی حمایت نہیں کرسکتی۔کیا میں اس ناجائز تلوار کی حمایت کرسکتی ہوں جس سے عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کو شہید کیا گیا۔آپ لوگوں نے ان پر الزام لگائے لیکن جب آپ پر واضح ہوگیا کہ وہ پاک صاف چینی کی طرح پاکیزہ ہیں اور ان کا کردار دھلے ہوئے کپڑے کی طرح بے داغ ہے تو تم لوگوں نے انہیں قتل کردیا۔مسروق کی روایت ہے کہ انہوں نے کہا "ام المومنین! یہ آپ ہی تھیں جنہوں نے لوگوں کو خط لکھ کر ان کے خلاف کھڑا کیا تو انہوں نے فرمایا "میں قسم کھاتی ہوں اس ذات کی جس پر ایمان لانے والے یقین رکھتے ہیں اور فتنہ گر

انکار کرتے ہیں۔ میں نے ان لوگوں کو کبھی کچھ نہیں لکھا۔ الاعمش مزید روایت کرتا ہے کہ " اس طرح لوگوں کو معلوم ہوا کہ ان کے نام سے جعلی خطوط لکھے گئے"۔

معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے شروع میں کبھی خلافت کی خواہش ظاہر نہیں کی۔ شاید وہ "سابقین الاولین" کی موجودگی میں اپنے آپ کو بہت چھوٹا محسوس کرتے ہوں لیکن بتدریج حالات نے دھکیل کر انہیں خلافت کے امیدواروں میں شامل کردیا۔ ان کا کہنا ہے کہ جس دن سے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان میرے کانوں میں پڑا "اے معاویہ! اگر تمہیں حکومت ملے تو(لوگوں سے) مہربانی اور شفقت کا سلوک کرنا۔" تو اس دن سے مجھے امید تھی کہ مجھے اقتدار نصیب ہوگااور اس کا ذکر علی رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ ان کی خط و کتابت میں بھی موجود ہے۔

ابتداء میں انہوں نے صرف قتلِ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی سزا کا مطالبہ کیا اور پھر وہ یہاں تک آگئے کہ سوال کرنے لگے کہ خلافت پر علی رضی اللہ تعالی عنہ کا حق کیسے ہے۔ علی رضی اللہ تعالی عنہ کا موقف تھا کہ (1) میں نے آپ سے بہت پہلے اسلام قبول کیا اور اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے لیے خدمات انجام دیں جو آپ کی خدمات سے بہت زیادہ ہیں۔ (2) میرا تعلق رسول اللہ ﷺ کے خاندان سے ہے اورخلافت اسی خاندان سے ہونی چاہئیے جس کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا ہو۔ (3) مجھے انہی لوگوں نے منتخب کیا جنہوں نے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب کیا تھایعنی اہل مدینہ نے ، اور صوبوں کو تو دارالخلافہ کے فیصلے کی تائید ہی کرنی چاہئیے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی اپنے دعوے میں وہ دلیل استعمال نہیں کی جس کی پابندی معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا کسی بھی دوسرے مسلمان پر فرض ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا (غدیر خم پر)۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سوچ کر کہ خلافت ایک دنیاوی اعزاز ہے پہلے تین خلفاء کے دور میں قربانی دے دی تھی مگر اس وقت جب وہ باقاعدہ خلافت کے دعویدار بن چکے تھے بلکہ بذریعہ شمشیر اپنے حق کے لیے لڑ رہے تھے اور اس وقت جب ان سے حقِ خلافت کے دعوے کے لیے دلائل کا مطالبہ ہو رہا تھا تو انہوں نے وہ فیصلہ کن دلیل پیش کیوں نہ کی (جو ان کے حق میں پانسہ پلٹ سکتی تھی)۔

جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مصالحت کی کوششیں ناکام ہو گئیں اور نہ صرف شام بلکہ کئی دوسرے صوبے بھی معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بطور خلیفہ بیعت کے لیے تیار تھے تو جنگ ناگزیر ہو گئی، یعنی جنگِ صفین۔ یہاں اس جنگ کی تفصیلات کی گنجائش نہیں۔ تاریخ کے ہر طالب علم کو اس کی تفصیلات ازبر ہیں۔ میں اپنی گذارشات کو صرف ان حوالوں تک محدود رکھوں گا جو اس آرٹیکل کے متعلق ہیں یعنی ان دونوں جنگوں کے پس پردہ یہودی ہاتھ۔ جب جنگ (صفین) کے دوران قرآن نیزوں پر بلند کرکے جنگ رکوالی گئی اور طے کیا گیا کہ خدائی فیصلہ کیا جائے گا یعنی قرآن سے ثالثی ہوگی تو یہ الاشعث بن قیس الکندی ایک یہودی النسل شخص تھا جس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجبور کرکے یہ فیصلہ کروایا اور پھر ابو موسیٰ الاشعریؓ کو ان کا نمائندہ مقرر کروایا (طبری I, 3332-5) حالانکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باہمی تعلقات خوشگوار نہ تھے۔ جنگ سے قبل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے حسن کو بصرہ بھیجا تھا کہ وہ وہاں سے جنگ کے لیے رضاکار بھرتی کریں اور ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحیثیت گورنر یہ کہہ کر اس کام میں رکاوٹ ڈالی کہ خانہ جنگی ایک بڑا گناہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ غیر جانبدار رہیں (ایسی صورت میں)۔ اس حرکت سے برو فراختہ ہو کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں گورنری سے معزول کردیا اور اس کے فوراً بعد حضرت

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوستوں نے انہیں مجبور کیا کہ وہ ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا نمائندہ نامزد کریں۔

برسہا برس کی تحقیق اور ذرا سی بھی متعصبانہ سوچ کے بغیر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ شہادتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جانشینی کی جنگیں یہودی سازش کا نتیجہ تھیں۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام نیک نیتی سے لڑے اور ان کی قطعی کوئی ذاتی خواہشات نہ تھیں۔